سُلطان محمود غزنوی کی ادب نوازی
اور
چوتھی صدی ہجری کی سیاست

از

(جناب سیدہ شبیر فاطمہ صاحبہ ایم۔ اے (عربی و فارسی) لکچرر الہ آباد یونیورسٹی)

جب کسی ملک میں سیاسی انقلاب رونما ہوتا ہے تو کوئی چیز بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی حقیقت بیں نظروں میں ان تغیرات کا نمایاں اثر علم و ادب کے ارتقار پر بھی پڑتا ہے، اس کی مثال خود ہندوستان کی تاریخ میں بھی مل سکتی ہے چنانچہ مغلوں کے دورِ زوال اور محمد شاہ کے انقلابی عہد میں اردو شاعری جنم لیتی ہے، اور زیادہ مدت گذرنے نہیں پاتی کہ میر تقی میرؔ سلطنت کا مرثیہ پڑھ کر دل سے آہ نکالتے ہیں، ادھر محمد رفیع سوداؔ اس کی بگڑی ہوئی حالت کا خاکہ کھینچتے ہیں، اس طرح تیموریوں کی سلطنت کے عہد میں ہمیں اردو زبان ملی، ایک ایسی زبان جس کی حلاوت اور شیرینی سے ہندو اور مسلمان دونوں لطف اندوز ہوئے اور دونوں نے اس کے ارتقار میں برابر کا حصہ لیا،

موجودہ زمانے میں ہندوستان کی آزادی کے ساتھ زبان کے معاملہ میں مختلف صوبے آپس میں دست و گریباں ہیں ایک پارٹی اپنی پانچ ہزار برس پرانی زبان کے احیار کی کوشش کر رہی ہے، دوسری طرف صوبجاتی علاقے لرزہ براندام ہیں کہ ان کی ثقافت اور کلچر کو نقصانِ عظیم پہنچے گا اور ان کی زبان حرفِ غلط کی طرح ناپید ہو جائے گی۔

فارسی زبان کے ارتقار کو بھی اسی قسم کے دور سے گذرنا پڑا تھا، اس کی اجمالی سرگذشت یہ ہے کہ عباسیوں کا آفتابِ اقبال غروب ہو رہا تھا کہ افقِ سیاست پر بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں ابھر

آئیں، ان میں سوائے طاہری خاندان کے تمام کی تمام ایرانی نژاد تھیں اور ہر ایک کا بانی قدیم ساسانی شاہی خاندان کی نسل سے ہونے کا مدعی تھا یہ سب کے سب آپس میں حریف اور ایک دوسرے پر گوئے سبقت لے جانے کی تگ ودو میں مصروف رہتے تھے، دیلمی خاندان اگرچہ دارالخلافت بغداد پر قابض تھا، اور عباسی خلفاء ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے مگر ان کے شجرِ اقبال کو گھن لگ چکا تھا اور ملک بھر میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی کہ اچانک سرزمینِ غزنی پر ایک آفتاب طلوع ہوتا ہے جس کی ضیاپاشی سے علم کی محفل منور ہو جاتی ہے، اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی تو دوسرے میں قلم، اس کی جولانگاہ ایک طرف ایران کی سرزمین تھی تو دوسری طرف گنگ وجمن کی وادی، گجرات کے میدان اور زیریں سندھ کے ریگستان، اس کے دورِ حکومت میں فارسی زبان کو غیر معمولی ترقی ہوئی۔

سب سے پہلے فارسی زبان کی سرپرستی سامانی خاندان نے کی، چنانچہ تاریخ طبری کا ترجمہ اسی خاندان کے ایک وزیر نے ۹۴۶ء میں عربی سے فارسی میں کیا، رودکی شاعر جس کو فارسی کا ابوالآبار مانا جاتا ہے اسی خاندان کا پروردہ تھا اس نے ایک کتاب اخلاق پر تصنیف کی اور اس کے صلہ میں ۸۰ ہزار درہم انعام حاصل کیا، گبن نے خاندانِ دیلم کو فارسی زبان کا بڑا محسن قرار دیا ہے مگر ایران میں جس کی بدولت فارسی زبان کو کمال کا مرتبہ حاصل ہوا وہ سلطان محمود تھا۔

خاندان غزنویہ کی بنیاد خاندانِ سامانی کے پانچویں بادشاہ عبدالملک بن نوح کے دورِ حکومت میں الپتگین خاندانِ غزنویہ کا بانی ہوا ہے، یہ اصل میں ایک ترکی غلام تھا جس نے اپنی ہوشیاری، مردانگی اور دیانت کی بدولت تھوڑے عرصہ میں بہت ترقی کر لی، سامانی بادشاہ نے اسے خراسان کا حاکم مقرر کیا، اس کے آقا کے انتقال پر جب نئے بادشاہ کے انتخاب کا مسئلہ کھڑا ہوا تو اس کی رائے بھی ارکینِ سلطنت نے طلب کی، دوسرے سرداروں نے تو منصور کو منتخب کیا لیکن الپتگین کی رائے اس کے خلاف تھی جب منصور کامیاب ہوا تو اس نے الپتگین کو معزول کر دیا۔

الپتگین بھی معاملہ کی نزاکت سے باخبر تھا، اس کے سامنے دو راستے تھے موت یا فرار

اس نے آخرالذکر صورت میں اپنی عافیت دیکھی اور جان بچا کر غزنی کا رخ کیا اور یہاں آتے ہی اپنی حکومت استوار کرلی جس میں بلخ، ہرات اور سیستان شامل تھا، اگرچہ اس نے خود مختاری حاصل کرلی تھی مگر ہمیشہ خاندان سامانی کا فرمانبردار رہا۔

۳۶۵ھ میں الپتگین نے رحلت کی، اس کا بیٹا ابو اسحٰق نامی اس کا جانشین ہوا مگر یہ دو سال حکومت کرنے کے بعد مرگیا، امراء کی نظر انتخاب سبکتگین پر پڑی، یہ الپتگین کا غلام تھا، یعنی غلام در غلام، اس نے اپنی دانائی اور کارگذاری سے اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرلی اور اس قدر اعتماد پیدا کیا کہ الپتگین نے خوش ہو کر اپنی لڑکی کو اس کی زوجیت میں دے دیا، ابھی اسے پورا پورا تسلط حاصل نہ ہوا تھا کہ دشمنوں سے اپنی مملکت کو بچانے کی جدوجہد کرنی پڑی۔

راجہ جے پال دالئ لاہور کی حکومت کی حدود غزنی کی حدود سے ٹکراتی تھیں، نئی حکومت اس کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی اور بقول سعدی شیرازی

سر چشمہ شاید گرفتن بہ بیل چو پُر شد نہ شاید گذشتن بہ پیل

سوچنے لگا کہ اس نوخیز دولت کو ہمیشہ کے لئے ختم کردینا چاہیئے ورنہ بعد کو کچھ بنائے نہ بنے گا اس نے اپنی قوت جمع کرکے اچانک حملہ کردیا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، طرفین میں صلح ہوگئی، راجہ نے ایک کثیر رقم بطور تاوان دینے کے وعدہ پر اپنی جان چھڑائی لیکن جب محفوظ مقام پر پہنچ گیا تو وعدہ سے پھر گیا۔

سبکتگین کو اس وعدہ خلافی کی اطلاع ہوئی تو اپنا لشکر لے کر اٹک کی جانب یلغار کی، ایک ہی حملہ میں راجہ کی فوج کے پیر اکھڑ گئے، اور وہ سراسیمہ ہو کر بھاگی، سبکتگین نے دوربین نظروں سے تاڑ لیا کہ ہندوستان کی تسخیر اس کی سلطنت کے استحکام اور وسعت کے لئے بے حد ضروری ہے، اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہیئے مگر موت نے اسے اتنی مہلت نہ دی اس ادھورے کام کی تکمیل اس کے اولوالعزم بیٹے سلطان محمود کے مقدر میں لکھی تھی۔

سلطان محمود کی جانشینی | سبکتگین کے دو بیٹے تھے محمود اور اسماعیل، باپ کے مرنے پر دونوں میں

مقابلہ ہوا، محمود نے اپنے بھائی پر فتح حاصل کی، اور باپ کا جانشین ہوا۔

اپنے شجاعانہ کارناموں کی بدولت اسے سامانی دربار سے سیف الدولہ کا خطاب مل چکا تھا، سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد خلیفہ عباسی نے اسے یمین الدولہ کے خطاب سے سرفراز کیا، کہا جاتا ہے کہ محمود پہلا مسلمان بادشاہ ہے جس نے سلطان[1] کا لقب اختیار کیا،

محمود بحیثیت فاتح | سلطنت غزنویہ حکومتِ سامانیہ کی بوسیدہ عمارت پر قائم ہو رہی تھی، شاہانِ سلان اپنا اقتدار اور عظمت کھو چکے تھے، باجگذار نوخیز حکومتیں سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف تھیں دہلی اس تاک میں تھے کہ آس پاس کی تمام حکومتوں کو ختم کر کے اپنی سلطنت کی حدود وسیع کریں، خیوہ کے خاقان ترکستان سامانیوں کو دباتے چلے آرہے تھے، ایسے پُرآشوب زمانے میں کسی حکومت کو اپنے استحکام کا یقین نہ تھا، محمود نے اپنی بالغ نظری سے مذکورہ حکومتوں کو دست و گریباں رہنے دیا اور اپنی توجہ ہندوستان پر مرکوز کر دی، تاکہ سلطنت کا مشرقی بازو مضبوط اور مستحکم ہو جائے، اسی سلسلہ میں اس نے خراسان پر قبضہ کر کے ایلک خاں سے دوستانہ تعلقات قائم کر لئے (ایلک خاں نے بخارا پر قبضہ کر کے سامانی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا)

چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں کا سیاسی زوال انتہائی درجہ کو پہنچ گیا تھا، ہر جگہ طوائف الملوکی پھیل گئی تھی، اس صدی کے آخری حصہ میں صرف ایک نمایاں ہستی سلطان محمود کی ہے جس نے اسلامی سلطنت کے مشرقی حصہ میں ضبط و نظم قائم رکھا، شمال مغرب اور مغرب میں مسلمان فرمانروا ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے، دیلمی حکومت کے شباب کا زمانہ گذر چکا تھا، عضد الدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) کے دم تک ان کی سلطنت پورے عروج پر تھی مگر اس کے مرنے کے بعد یہ سلطنت زوال پذیر ہوتی گئی۔

فرقہ باطنیہ اور سلطان محمود | سلطان محمود خود صاحبِ علم و فضل تھا اور علماء و فضلا کی بے حد قدردانی کرتا تھا،

---

[1] تذکروں میں اکثر مذکور ہے کہ سلطان محمود نے پہلے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ مگر دراصل عضد الدولہ دیلمی اسلامی تاریخ میں پہلا شخص ہے جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور منبر پر اس کا خطبہ پڑھا گیا، حکمائے اسلام حصہ اول مولینا عبد السلام ندوی ص ۲۲۷۔

عقیدہ کے لحاظ سے وہ سنی تھا، خلفائے عباسی اور اسلامی مرکزیت کو وہ صحیح معنوں میں آزاد دیکھنے کا آرزو مند تھا، لیکن عباسی خلافت ایک جسمِ بے جان تھی، اور خلفائے عباسی تبرک ہو کر رہ گئے تھے، جن کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار مطلق نہ تھا، سلطنت کے کرتا دھرتا سلاطین دیلمی تھے اور فاطمیینِ مصر کے زیر اثر تھے، دیلمی سخت متعصب شیعہ تھے، سلطان محمود کو دیلمیوں سے مذہبی اور پولٹیکل دشمنی تھی، اس کی سب سے بڑی وجوہ یہ ہیں :-

۱۔ مصری ائمہ فاطمیین کا دستور تھا کہ جہاں ان کو حکومت حاصل نہ ہوتی، وہاں اپنی مرکزیت قائم رکھنے کے لئے اپنا داعی یا والی بھیجا کرتے تھے، جو بظاہر نہایت ہی صلح پسند، نیک، امن جو معلوم ہوتے تھے مگر درحقیقت قوم کے ملکی اور مذہبی امور کا انھیں کلی اختیار ہوتا تھا۔

۲۔ خارجی اور سادات ہمیشہ انقلاب سلطنت کی فکر میں رہا کرتے تھے، اس لئے ان کی حیثیت ہر جگہ باغیوں جیسی تھی، جہاں یہ خود یا ان کے داعی رہتے، حکام کو ان پر کڑی نگاہ رکھنا پڑتی تھی۔

خراسان میں اسمٰعیلیوں کا بڑا زور تھا، فرقۂ باطنیہ والے مسلمانوں کو چھپ چھپ کر قتل کرتے رہتے تھے ان کی ایک بڑی جماعت دیلمیوں ہی کے زیر حمایت تھی۔

میں نے بارہا غور کیا اور تاریخی کتب کا مطالعہ کیا، مگر یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ سلاطینِ دیلمی باوجود اس قدر صاحبِ اقتدار اور اختیار ہونے کے عباسی خلافت پر قابض کیوں نہ ہوئے جب کہ خلفاء بالکل عضوِ معطل ہو کر رہ گئے تھے، اور دیلمی سلاطین بعض اوقات بنوک شمشیر اپنی مانگیں پوری کرا لیتے تھے، آخر یہی نظر آیا کہ دیلمی سلاطین اگرچہ فاطمیینِ مصر کے زیر اثر تھے مگر انھیں کسی قیمت پر یہ گوارا نہ تھا کہ اپنے اثر و رسوخ کو کھو بیٹھیں، اور مصریوں کے غلام بن جائیں اس کے علاوہ مسلمانوں کی اکثریت سُنّی عقیدہ رکھتی تھی، جو عباسی خلفاء کی سیاسی اور روحانی سیادت برقرار رکھنا چاہتی تھی اسی پردے میں دیلمی سلاطین بڑے کروفر سے دولت عباسی پر چھائے ہوئے تھے اور اپنی من مانی کرتے تھے۔

ایلک خانی ترک جن کے ہاتھوں آل سامان کا خاتمہ ہوا سلطان محمود کو آنکھیں دکھا رہے

تھے، اور محمود کو بارہا ان سے الجھنا پڑا، سلاطینِ دیلمی اس تاک میں تھے کہ جرجان، طبرستان (جو زیاری خاندان کے زیر حکومت تھا) اور خوارزم (جو آل مامون بن مامون کے زیر حکومت تھا) پر قبضہ کرلیں ادھر شمالی افریقہ سے لے کر ملتان، سندھ تک فرقہ باطنیہ کا جال بچھا ہوا تھا، ان کی دست درازیوں سے ہر فرمانروا لرزہ براندام تھا، ہندوستان کے راجاؤں کی طرف سے بھی ہر وقت خطرہ دامن گیر رہتا تھا، جو سلطان محمود کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ تھے، اس کشمکش میں سلطان محمودؒ نے جس فرزانگی اور عقل و تدبر سے کام لیا ہے وہ اس کی سیاسی فراست اور حکمرانی کی قابلیت کی دلیل ہے

آلِ مامون بن مامون خوارزم شاہ کا خاندان ۳۸۶ھ اور ۳۹۰ھ کے درمیانی زمانے میں مستقلاً فرمانروا ہوا، ابوالعباس مامون بن مامون خوارزم شاہ ۳۹۹ھ میں تخت نشین ہوا، اس کے عقد میں سلطان محمود کی ایک بہن (کاہ کالیجی)[۱] تھی، خوارزم شاہیوں نے شورش بپا کرکے ۴۰۷ھ میں ابوالعباس مامون کو قتل کردیا، یہ شورش باطنیوں کی تھی، خوارزم شاہ کے خون کے انتقام کے بہانے سے سلطان محمودؒ نے لشکر کشی کی اور خوارزم کو فتح[۲] کرکے اپنی سلطنت سے الحاق کرلیا، وہ خوارزم شاہی دربار کے تمام علماء و فضلا کو اپنے ساتھ غزنہ لے گیا، انکے میں ابوریحان بیرونی بھی تھا، ابوریحان کے استاد حکیم عبدالصمد اول بن عبدالصمد پر باطنیت کا الزام لگاکر قتل کردیا، ابوریحان اس واسطے بچ گیا کہ وہ علم نجوم کا امام وقت مانا جاتا تھا[۳]

فخرالدولہ دیلمی حاکم رے کا انتقال ۳۸۷ھ میں ہوا، مجدالدولہ اس کا لڑکا جانشین ہوا لیکن اس میں سلطنت سنبھالنے کی قابلیت نہ تھی، فوج نے بغاوت کردی، مجدالدولہ نے محمود سے امداد چاہی، چنانچہ محمود رے کی طرف بڑھا، قبضہ کرنے کے بعد قرامطہ، باطنی اور معتزلہ کو گرفتار کرکے ان میں سے بہتوں کو تختۂ دار پر لٹکایا، بہتیرے سنگسار ہوئے، مکانوں کی تلاشی لی گئی اور ایسی کتابوں کو جن میں کافرانہ اور ملحدانہ عقاید پائے گئے شعلوں کی نذر کردیا۔

ہندوستان کی جماعت اسمٰعیلی اور محمود

سنہ ۲۷۰ھ میں اسمٰعیلیوں کے امام عبیداللہ المہدی نے ایک داعی بھیجا جس کا نام ہیثم تھا اس نے سندھ میں انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی، یہ لوگ

---

۱ بیہقی ص۳۰، ۲ بیہقی ص۴۲۹ اور گزیدہ ص۴۰۲، ۳ معجم الادبا، جلد ۶ ص ۳۱۱

یکے بعد دیگرے آتے رہے منصورہ (سندھ) میں انھیں کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی مگر ملتان میں انھوں نے اپنے قدم جمالئے، انھوں نے کچھ عرصہ تک انتظار کیا، یہاں تک کہ اسمٰعیلی امام العزیز باللہ (قاہرہ مصر) متوفی ۳۸۶ھ نے ۳۷۲ھ کے بعد حلم بن شیبان کو فوجی مدد دے کر سندھ بھیجا اُس نے ملتان پر باہر سے حملہ نہیں کیا بلکہ اندرونِ شہر میں بغاوت کرادی اور باہر سے امداد پہنچاتا رہا، ملتان پر قابض ہوکر حلم بن شیبان نے فاطمی خلیفہ کا خطبہ اور سکہ جاری کیا، اور اپنے مذہب کی تبلیغ بڑے شدومد سے شروع کی، ملتان کی ریاست کو بہت مضبوط کیا، اور آس پاس کے ہندو راجاؤں سے معاہدے کئے، کیوں کہ ہمسایہ اسلامی سلطنتوں سے جو عباسی خلفا کی اطاعت کا دم بھرتی تھیں بربنائے اختلافِ عقائد و خصومت کسی امداد کی توقع نہ تھی،

۳۷۶ھ میں راجہ جے پال والیٔ پنجاب اور سبکتگین کے درمیان پہلی جنگ صلح پر منتج ہوئی، اسی کے دوسرے سال پھر جے پال سے جنگ ہوئی، امیر سبکتگین نے دریائے سندھ تک قبضہ کرلیا، ملتان کی حدود شمال اور شمال مشرق میں راجہ جے پال کی حدودِ سلطنت سے ملتی تھیں، مغرب میں ترکوں کی حکومت تھی۔ جنوب میں منصورہ کی حکومت تھی، والیٔ ملتان ہندو ریاستوں کا ہمسایہ تو تھا ہی، ظاہر میں نہ سہی مخفی طور پر حسبِ معاہدہ اس نے ان حکومتوں کو مدد دی، کیوں کہ والیٔ ملتان بخوبی سمجھتا تھا کہ عباسی اور فاطمی سلطنتیں آپس میں زبردست رقیب ہیں، ترک اگر فتح مند ہوئے تو ہماری ہستی برقرار نہیں رہ سکتی، مصر اور یمن سے فوری امداد ناممکنات سے ہے، اسلامی ریاستوں سے توقع رکھنا عبث ہے۔

سبکتگین بھی اس سے باخبر تھا، والیٔ ملتان سے بازپرس کی، شیخ حمید اس زمانے میں ملتان کا والی تھا، مصلحتِ وقت کو دیکھتے ہوئے اُس نے سبکتگین سے مصالحت کرلی، سبکتگین نے اس کی معذرت قبول کرکے اسے ملتان کی ولایت پر بحال رکھا[1]، دونوں میں تعلقات خوش گوار ہوگئے۔

شیخ حمید کے پوتے داؤد بن نصیر بن حمید نے ۳۹۵ھ میں سلطان محمود کے ساتھ معاندانہ

---

[1] فرشتہ جلد اول ص۲۱ نول کشور،

رویہ اختیار کیا[1] جو سلطان محمود کی ناخوشنودی کا باعث ہوا، سلطان محمود نے ایک بڑی فوج لے کر ملتان پر یلغار کی اور شہر پر قبضہ کر کے شیخ داؤد بن نصر بن حمید کو گرفتار کر کے غزنہ لے گیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔

سلطان محمود کی علم پروری اور ادب نوازی

فارسی ادبیات کی ترقی اور نشوونما کے لئے سلطان محمود کا عہد محور قرار پاتا ہے، شعر و ادب کے معرکے اطمینان، خوشحالی اور آسودگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں، سلطان محمود کبھی دیلمیوں سے نبرد آزما نظر آتا ہے کبھی تورانیوں سے اور کبھی ہند کی سرزمین کو آماجگاہِ جنگ بنائے ہوئے ہے، سیماب آسا اُسے ایک حال پر قرار اور سکون نہ تھا، اس کی تمام عمر تیغ زنی اور تیر افگنی میں صرف ہوئی، تعجب ہے کہ اسے فرصت کے لمحات کب نصیب ہوتے ہوں گے!

سلطان محمود کے فخر و مباہات کا حقیقی وصف باوجود سپہ گری اور جہاں کشائی کے علوم و فنون کی ترقی و ترویج اور ان کی سرپرستی میں مضمر تھا، زمانۂ ماضی میں کوئی اس سے سبقت نہ لے جا سکا، بادی النظر میں وہ نہایت کفایت شعار تھا، مگر فضل و ہنر کی ترویج میں جس دریا دلی سے اس نے دولت صرف کی ہے اس کی مثال ڈھونڈے نہیں ملتی۔

اس کے زمانے میں غزنی عروس البلاد بن گیا تھا، اس کی تزئین اور آرائش میں اس نے دل کھول کر اپنے خزائن صرف کئے، خاص غزنی میں ایک مدرسہ قائم کیا، ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا جس میں مختلف زبانوں کی بیش بہا کتابیں جمع کیں ایک قدرتی عجائب کا عجائب خانہ بھی قائم کیا اور اس کے لئے ایک کثیر رقم مقرر کی، طلبہ اور اساتذہ کے لئے ایک مستقل فنڈ علیحدہ کر دیا، علماء کے بیش قرار وظائف مقرر کئے، ان کے ساتھ وہ نہایت احترام سے پیش آتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کے دربار میں اور دار السلطنت غزنی میں بہت سے مشاہیرِ علوم و فنون جمع ہو گئے، ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ بات نصیب نہ ہوئی تھی۔

سلطان محمود کی علمی سرپرستی اور ادب نوازی سے متاثر ہو کر امراء اور وزراء نے بھی علماء

---

[1] فرشتہ جلد اول صہ ۲۴ نول کشور

کی قدردانی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، قابوس بن دشمگیر صاحب تخت وتاج خود بڑا فاضل تھا، صاحب اسمٰعیل بن عباد وزیر کے علم وفضل سے کسے انکار ہے، ماموینوں کا دربار علمار کا ملجا وماویٰ رہا، ان سب حکمرانوں کے دامن عاطفت میں یکلخت دہر علما و فضلا جو علم وفضل کی دنیا میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، بخارا، سمرقند، طبرستان، رے، اصفہان وغیرہ علم وادب کے مرکزوں سے کھنچ کھنچ کر غزنی پہنچ گئے، سلطان کے دربار میں شعراء کی تعداد چار سو سے تجاوز کر گئی تھی، اور اس نے بھی دل کھول کر ان کی قدردانی کی۔

سلطان محمود خود ایک جید عالم تھا، فقہ میں اس کی ایک مستقل تصنیف موجود ہے خود شعر بھی کہا کرتا تھا، فارسی تذکروں میں اس کے چند اشعار ملتے ہیں، عوفی[1] نے جو شعر نقل کئے ہیں حسب ذیل ہیں: ؎

تا تو اے ماہ زیر خاک شدی — خاک را بر سپہر فضل آمد
دل جزع کرد گفتم اے دل صبر — ایں قضا از خدائے عدل آمد
آدم از خاک بود خاکی شد — ہر کہ فرزند زاد باز اصل آمد

سلطان محمود کے دربار کی شان وشوکت خلفاء کے دربار سے کسی طرح کم نہ تھی، جب ہم اس کے کروفر، اس کی عظیم الشان ملکی مہمات اور فوجی شائستگی پر نظر کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے، وہ اگرچہ مال و دولت کے جمع کرنے کا شائق تھا، مگر جس خوبی اور ہوشیاری سے وہ صرف کرنا جانتا تھا، ویسا سلیقہ بہت کم حکمرانوں کے حصہ میں آیا ہے، علامہ ابن اثیر اس کے مجاہدانہ کارناموں کے مداح ہونے کے باوجود لکھتے ہیں:۔

"سلطان میں کوئی عیب نہ تھا، بجز اس کے کہ وہ ہر طریقہ سے اموال لینے کی کوشش کرتا تھا"

اس کے دل میں خشیتِ الٰہی موجزن تھی، صبر آزما گھڑیوں میں اور خصوصاً میدانِ کارزار میں سجدہ ریز ہوکر بارگاہِ رب العزت میں نہایت خضوع وخشوع سے کامیابی کی دعائیں مانگتا تھا۔

عنصری شاعر محمود کے دربار میں ملک الشعراء تھا، سلطان نے لطف وکرم کے ساتھ اُسے

[1] لباب الالباب عوفی (براؤن ایڈیشن جلد اول ص۲۴)

خوب نوازادہ بڑے جاہ وجلال کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا، خاقانی کہتا ہے: ؎

شنیدم کہ از نقرہ زو دیگداں ز زر ساخت آلات خواں عنصری

عنصری کے اشعار زیادہ تر قصائد ہیں جو اس نے سلطان محمود کی مدح میں کہے ہیں، اس کا اصل کمال قصیدہ گوئی ہے سلطان محمود کے سفروں میں ہمرکاب رہتا تھا۔

غضائری رازی[1] بہاؤالدولہ دیلمی کا تربیت یافتہ تھا، اس نے سلطان محمود کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا اس کے صلہ میں سلطان نے ایک ہزار دینار[2] بھیجے، قصیدہ کا مطلع ہے: ؎

اگر کمال بجاہ اندر است وجاہ بمال مرا بہ بیں کہ بہ بینی کمال را بکمال

اس قصیدے میں اس نے اپنی لیاقت، سلطان کی سخاوت اور حاسدوں کے حسد کا حال بیان کیا ہے کہتا ہے: ؎

مرا دو بیت بفرمود شہریار جہاں بر آں صنوبر عنبر عذار مشکیں خال

دو بدرہ زر بفرستاد ہر ہزار درم برغم حاسد بیمار باد بال نکال

عنصری نے اس قصیدے کا جواب اسی وزن میں دیا ہے، اور غضائری نے اس کا جواب الجواب لکھا ہے سلطان محمود کے درباری شعراء اگرچہ بے شمار ہیں لیکن ان میں سے یہ زیادہ مشہور ہیں عنصری، فردوسی، اسدی، عسجدی، غضائری، فرخی، منوچہری۔

سلطان محمود نے فردوسی کے ساتھ جو سلوک روا رکھا، اس کے متعلق تذکرہ نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے اور ہر ایک نے اپنے اندازِ خیال کے مطابق محمود کو حریص، لالچی، وعدہ شکن قرار دیا ہے، اس عیب کو نمایاں کرنے میں شاعروں نے سب سے بڑھ کر فردوسی کی مظلومی اور محمود کے ظلم کا رونا رویا ہے، یہی وہ جذبہ ہے کہ جس سے متاثر ہو کر شیخ سعدی نے گلستاں میں حکایت لکھی ہے، کہ محمود کا جسم قبر میں پارہ پارہ ہو چکا ہے لیکن حالت یہ ہے

"کہ چشمانش ہنوز نگران است کہ ملکش باد گران است"

مولانا جامی فرماتے ہیں:-

---

[1] تزکرہ عامرہ، ذکر غضائری رازی، [2] دینار ایک طلائی سکہ سات یا دس درہم کا ہوتا ہے۔

گذشت شوکت محمود در فسانہ نماند جز ایں قدر کہ ندانست قدر فردوسی

یورپی مستشرقین کو بنا بنایا تمام مواد ہاتھ لگ گیا اور انھوں نے اس میں نمک مرچ لگا کر اس انداز سے پیش کیا ہے کہ سلطان محمود کی سیرت اور اوصاف زنگ آلود ہو گئے ہیں انھوں نے مخصوص مصالح کی بنا پر محمود کے سوانح کو اس رنگ میں ظاہر کیا ہے کہ جس سے نفرت آمیز جذبہ پیدا ہوتا ہے یہ سب کچھ اپنوں کا ہی کیا دھرا ہے،

من از بیگانگاں ہرگز ننالم کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

لیکن تاریخی دستاویزوں اور تذکروں کو پیش نظر رکھ کر مولینا شبلی رحمہ اللہ علیہ نے فردوسی کے جو حالات شعر العجم میں قلم بند کئے ہیں اور شاہنامہ کی تصنیف کے حقیر صلہ دینے کی جو وجوہات پیش کی ہیں وہ نہایت مدلل ہیں، فردوسی نے سلطان محمود کی ہجو کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی، ایک مطلق العنان بادشاہ جس نے اپنے زمانے میں چہار سمت تہلکہ مچا رکھا تھا، اور بڑی بڑی حکومتوں کو پامال کر ڈالا تھا، اس کی عالی ظرفی ملاحظہ ہو کہ جب حسب ذیل شعر سنا :۔

اگر نہ بکام من آید جواب من و گرز و میدان و افراسیاب

تو شاہنامہ کی نظم کی خوبی سے متاثر ہو کر اپنی جوانمردی اور حوصلہ کو کام میں لایا، ہجو اور مذمت کی پروانہ کی اور ساٹھ ہزار اشرفیوں کی گراں قدر رقم اس کو بھجوا دی۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود اپنے زمانہ کا بہت بڑا بادشاہ تھا ایسی ہستیاں قدرت سیکڑوں برس کے بعد پیدا کرتی ہے، وہ ہوشیاری، چستی و چابکی اور دلیرانہ کاموں کی جسارت حد سے زیادہ رکھتا تھا، سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی تمام عمر لڑائی کے میدانوں میں گذری ہمیشہ دار السلطنت سے دور دراز مقامات پر مصروف کارزار رہا، لیکن اس کے باوجود اس کی سلطنت کے کاروبار میں کبھی خلل واقع نہ ہوا، اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ حکمرانی کی اہلیت اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔

منجملہ ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں کے جہاں کہیں اس کا کامل قبضہ اور تصرف تھا اس نے بجبر اسلام کی اشاعت میں کوشش نہ کی، گجرات میں ایک مدت تک اس کا قیام رہا، لاہور پر قبضہ اور عمل دخل تھا، مگر اس نے کسی ایک ہندو کو مسلمان نہ کیا، ہندو حکمرانوں میں قنوج کا راجہ اس کا رفیق تھا مگر اسے بھی دعوت اسلام نہ دی، کہا جا سکتا ہے کہ راجہ جے پال دائی لاہور سے جو معاملات برتے وہ اس دعوے پر پورے نہیں اترتے، اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ان کا مذہب سے کچھ تعلق نہ تھا، وہ تدبیرِ مملکت پر متفرع تھے۔

کسی لڑائی میں اس نے سوائے اوقاتِ جنگ کے کسی ہندو کی جان نہیں لی، حالانکہ صفحات گذشتہ میں بتایا جا چکا ہے کہ ایران کی لڑائیوں میں اس نے باطنی فرقہ کے لوگوں کو چُن چُن کر قتل کیا یہ بھی ایک مقتضائے وقت تھا، دلی منشا سے اس نے یہ قتل وخونریزی نہ کی تھی، وہ شریعتِ اسلامی پر عمل پیرا تھا، اسلام میں تفرقہ نہ چاہتا تھا، وہ ہمیشہ خلافتِ عباسیہ کا حامی رہا، فاطمی خاندان کے ہم عصر حکمران نے جب سلطان محمود کو پیغامِ مودت اور خلعت و تحائف بھیجے تو اس نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

سلطان محمود کی فوج سلطنت کے تمام مقبوضات سے بھرتی کی جاتی تھی، تمام افسر نہایت جانچ اور تحقیق کے بعد مقرر کیے جاتے تھے، اگرچہ سلطان محمود کی فوج میں ہندوؤں کے شمول کا ذکر بہت کم آتا ہے مگر جب سلطان محمود کا انتقال ہوا اور جانشینی کے لئے جھگڑے پیدا ہوئے تو ان میں ہندو فوج کی شمولیت بھی پائی جاتی ہے، ہندو سوار فوج اس انقلاب میں شامل تھی، اور ان کا افسر سیوندرائے یا ساونت رائے تھا، اس سے صاف واضح ہے کہ محمود جب تک زندہ رہا ہندو فوج سے بھی کام لیتا رہا۔

سلطان محمود جب ایران کی فتح سے فارغ ہو کر اپنے دار السلطنت غزنی میں واپس آیا تو بیمار پڑ گیا اور ۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ء میں اس جہان فانی سے سفرِ آخرت اختیار کیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝